مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

سنہ ۱۹۳۹ء اسلام میں غلامی کی حقیقت۔ اسلام کا اقتصادی نظام۔ قانونِ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ۔
تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام۔ سوشلزم کی بنیادی حقیقت۔

سنہ ۱۹۴۰ء غلامانِ اسلام۔ اخلاق و فلسفۂ اخلاق۔ فہم قرآن۔ تاریخ ملت حصہ اول ''نبی عربی صلعم''۔ صراطِ مستقیم (انگریزی)

سنہ ۱۹۴۱ء قصص القرآن جلد اوّل۔ وحی الٰہی۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول۔

سنہ ۱۹۴۲ء قصص القرآن جلد دوم۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات)
مسلمانوں کا عروج و زوال۔ تاریخ ملت حصہ دوم ''خلافتِ راشدہ''۔

سنہ ۱۹۴۳ء مکمل لغات القرآن مع فہرستِ الفاظ جلد اوّل۔ اسلام کا نظامِ حکومت۔ سیریہ۔ تاریخ ملت حصہ سوم ''خلافتِ بنی امیہ''

سنہ ۱۹۴۴ء قصص القرآن جلد سوم۔ لغات القرآن جلد دوم۔ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت (کامل)

سنہ ۱۹۴۵ء قصص القرآن جلد چہارم۔ قرآن اور تصوف۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے)

سنہ ۱۹۴۶ء ترجمان السنۃ جلد اوّل۔ خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ۔ جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو۔

سنہ ۱۹۴۷ء مسلمانوں کا نظمِ مملکت۔ مسلمانوں کا عروج و زوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے
اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ۔

سنہ ۱۹۴۸ء ترجمان السنۃ جلد دوم۔ تاریخ ملت حصہ چہارم ''خلافتِ ہسپانیہ''۔ تاریخ ملت حصہ پنجم ''خلافتِ عباسیہ اوّل''

سنہ ۱۹۴۹ء قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل)
تاریخ ملت حصہ ششم ''خلافتِ عباسیہ دوم'' بصائر۔

سنہ ۱۹۵۰ء تاریخ ملت حصہ ہفتم ''تاریخِ مصر و مغربِ اقصیٰ'' تدوینِ قرآن۔ اسلام کا نظامِ مساجد۔
اشاعتِ اسلام، یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا۔

سنہ ۱۹۵۱ء لغات القرآن جلد چہارم۔ عرب اور اسلام۔ تاریخ ملت حصہ ہشتم ''خلافتِ عثمانیہ'' جارج برنارڈ شا۔

سنہ ۱۹۵۲ء تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر۔ فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اوّل (جس کو
از سرِ نو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ کتابتِ حدیث۔

سنہ ۱۹۵۳ء تاریخ مشائخ چشت۔ قرآن اور تعمیرِ سیرت۔ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ۔

بُرہان

مدیر مسئول: عمید الرحمٰن عثمانی

جلد ۱۰۰ | ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ مطابق جولائی ۱۹۸۷ء | شمارہ ۱

(۱) نظرات — جمیل مہدی — ۲

(۲) اختر کے فارسی دیوان کا ایک نادر مخطوطہ — ڈاکٹر شریف حسین قاسمی — ۹

(۳) میرے مولانا اکبر آبادی - کچھ باتیں کچھ یادیں ۸ نومبر ۱۹۰۸ء تا ۲۴ مئی ۱۹۸۵ء — مسعود انور علوی کاکوروی — ۲۰

(۴) علامہ مقریزی اور ان کی کتاب المقفی الکبیر — غلام یحییٰ انجم شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ — ۳۳

(۵) تاریخ جہانگیر — عبدالرؤف خاں - ایم اے۔ تاریخ — ۵۷

عمید الرحمٰن عثمانی پرنٹر پبلشر نے جمال پریس بحصّہ شیخ منگو دہلی سے چھپوا کر دفتر بُرہان اُردو بازار دہلی سے شائع کیا۔

نظرات

فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلے میں وہ تمام اندازے غلط ثابت ہوئے جو آزادی کے بعد کے شورش انگیزی کے دنوں میں ارباب بصیرت نے قائم کئے تھے، تقسیم ہند کا حادثہ اتنا اچانک اور صدمہ انگیز اور غیر متوقع تھا کہ ہمارے سیاستدان اور مبصر اور دانشور سب کے سب حیرت زدگی کا شکار ہو گئے سول وار جیسی ایک کیفیت ہندوستان اور پاکستان کی نوزائیدہ مملکتوں کے حصے میں آنے والے علاقوں میں پیدا ہوئی جس میں منقسم پنجاب، دہلی، اور شمالی ہندوستان کے کئی بڑے شہر تاریخ کی بے مثال خونریزی کی لپیٹ میں اس طرح آگئے کہ جب گاندھی جی کی مداخلت اور آخر میں ان کے دردناک قتل کی بدولت وحشیانہ جنون میں کمی آئی تو معلوم ہوا کہ صرف چار پانچ مہینے کی باہمی جنگ و پیکار میں دس لاکھ آدمی ہندو مسلمان، اور سکھ ـــــ کام آچکے ہیں۔ اور ڈیڑھ کروڑ کے قریب لوگ ادہر سے اُدہر ہو کر، تاریخ کے سب سے بڑے تبادلۂ آبادی اور انتقال و انخلاء کے چکر میں آکر، غریب الدیار تارکِ وطن، مہاجر، پناہ گزین اور شرنارتھی کے نئے ناموں سے موسوم ہو چکے ہیں۔

وہ وقت یقیناً ایسا تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے وہ رہنما جنہوں نے تقسیم کی تجویز سے بالآخر اتفاق کیا تھا، اپنے فیصلوں کو سیاسی فیصلے کا نام دیتے

تھے، اور جہاں تک کانگریس کا تعلق تھا تو اس کے بڑے لیڈروں، گاندھی جی کو تو چھوڑیئے —— جواہر لال اور راجندر پرشاد تک نے تقسیم کے عمل کو ایک سیاسی مجبوری کا نتیجہ قرار دیا تھا اور اس کی تو واضح الفاظ میں تردید کی تھی کہ ملک کے بٹوارہ کا کوئی تعلق مذہبی اختلافات یا دو قومی نظریہ پر مہر تصدیق ثبت کر دینے سے ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ دستور ساز اسمبلی میں، قوم کے نمائندوں کی حیثیت سے جو تقریریں، اور قانون سازی کی کارروائی کے دوران جو مباحثے دستور ساز اسمبلی کے دیوان میں کیے گئے، ان میں صاف طور پر کہا گیا کہ ہندوستان ایک قومی نقطۂ نظر کے تحت ایک سیکولر اسٹیٹ کے روپ میں برقرار رکھا جائے گا اور جمہوری سیکولر نظریات کے مطابق ہی نئی آزاد ریاست اپنے شہریوں کے بارے میں اپنا رویہ طے کرے گی۔

اس فیصلے کے تحت ہندوستان کا دستور، جو دنیا کا ضخیم ترین دستور اور بسوط تر آئین ہے، مرتب کیا گیا، اس کے تحت ہر شہری کو، اس کے مذہب ذات، طبقہ اور برادری سے قطع نظر یکساں حقوقِ شہریت عطا کیے گئے اور یقین دہانی —— تحریری آئینی اور دستوری یقین دہانی کرائی گئی کہ ریاست، مذہب فرقہ، ذات اور برادری کی تفریق کے بغیر یکساں سلوک کرے گی۔ اور شہری حقوق، ترقی کی مساوی گنجائش اور مساوی مواقع ہر مذہبی اور نسلی فرقہ کو مہیا کیے جائیں گے۔ بلکہ ان طبقات کو جو ایک طویل مدت کی سماجی بے انصافی اور غیر مساوی سلوک کی بدولت، معاشی، تعلیمی اور تہذیبی اعتبار سے پس ماندگی کا شکار ہو گئے ہیں، ریزرویشن کے ذریعہ ایک خاص مدت تک مراعات اور ترجیحی سلوک سے متمتع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اس دوران جہاں کہیں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے، حکومت اور سیاسی مبصروں کے علاوہ خود مسلم فرقہ کے دانشوروں نے بھی ان فسادات کو تقسیم ملک کے وقت کی تلخی اور اس کی باقی ماندہ منافرت کا شاخسانہ قرار دیا۔ اور صدق دل کے ساتھ یہ سوچکر دل کو تسلی دیتے رہے کہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ تلخی اور ناگواری ختم ہو جائے گی اور تقسیم ملک کے وقت کے ہولناک نظارے دیکھنے والی نسل کے خاتمے کے بعد تو اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا لیکن حکومت کی کمزوری اور تعلیم گاہوں میں انتہا پسند ہندو تنظیم آر-ایس-ایس کے تربیت یافتہ لوگوں کے روز افزوں اضافہ کی بدولت یونیورسٹی اور اسکولوں میں ایسی کتابیں رائج کر دی گئیں جن میں خاص طور پر مسلمانوں کو نفرت اور اشتعال انگیز الزامات کا سزاوار ٹھیرایا گیا، اور خود اسلام ہی کو ایک ایسا مذہب قرار دیدیا گیا جو اپنے ماننے والوں کو قتل و غارت، لوٹ مار اور دوسرے مذاہب کی اہانت کی تعلیم دے کر ایک جرائم پیشہ گروہ کو تیار کر دینے کے علاوہ انسانیت کے لئے کوئی دوسرا پیغام نہیں رکھتا، اور یہی وجہ ہے کہ مسلم بادشاہوں نے ہندوستان کے اندر اپنے دورِ حکومت میں غیر مسلموں پر اتنے شدید مظالم کئے کہ پوری ہندو قوم عزتِ نفس جیسی بیش قیمت چیز سے محروم ہو گئی۔ اس نصاب تعلیم میں محمود غزنوی، محمد غوری التمش، بلبن، ناصر الدین محمود، فیروز شاہ، بابر، اکبر، اور اورنگ زیب، سب کو ظالم قرار دیا گیا، اور ان کے ناموں اور کاموں سے موسوم ایسی کہانیاں نصابِ تعلیم میں داخل کی گئیں، جنہیں پڑھنے کے بعد ابتدا ہی میں بچوں کے ذہن زہر آلود ہو گئے، اور مسلمانوں کو دل کی گہرائیوں کے ساتھ ظالم اور قابلِ نفرت سمجھنے والی نسلیں، ایک کے بعد نکل کر سماج تعلیم گاہوں، حکومت کے شعبوں، سیاست عدلیہ اور قانون ساز اداروں میں پہونچنے لگیں۔

دوسری طرف سیاسی سطح پر، اقلیتوں کی خوشامد اور ہندو اکثریت کے حقوق تلفی کے ذریعہ اقلیتوں، خصوصاً مسلمانوں کو خوش کرنے کے حکومت کے رویہ کے خلاف ایسا شور اُٹھایا گیا کہ ہر سطح اور ہر شعبہ مذہب کے نام پر رزم آرائی اور صف بندی جیسی کیفیت پیدا ہوگئی، اور وہ لوگ بھی جن کے خیالات معتدل اور ذہن سیکولر تھا، ان نعروں سے متاثر ہونے لگے کہ ۸۵ فی صدی ہندو اکثریت کے ملک کے سیاسی قومی اور تہذیبی کردار پر قدرتی طور سے اکثریت کی تہذیب اور اکثریت کی اُمنگوں اور زبان و روایات کا غلبہ ہونا چاہیئے تعلیم گاہوں میں مذہبی منافرت اور مسلمانوں کے خلاف جذبات پیدا کرنے کی تعلیم، اور سیاسی سطح پر ہندو اکثریت کی خواہشات کے غلبہ کے ان نعروں نے عملی طور پر ہندوستانی دستور کی سیکولر بنیاد کو ہلا کر رکھ دیا اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ انتظامیہ سے متعلق اعلیٰ افسر، پولیس اور لا اینڈ آرڈر کو قائم کرنے والے تقریباً سبھی ادارے مسلمانوں کے خلاف ایک باقاعدہ فریق کی صورت میں صف آرا ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے لئے انصاف، مساویانہ برتاؤ، اور عام شہریوں کی طرح ان کے تحفظ کی تمام راہیں، مسدود ہوتی چلی گئیں، اور حکومت ایسے افراد کا مجموعہ بن کر رہ گئی، جو ہندوستان میں مسلمانوں کے وجود کو، ملک کے مستقبل کے لئے ایک خطرہ، اور اکثریت کے لئے ایک سنگین دھمکی، اور ملکی معیشت کے لئے ایک بوجھ سمجھنے لگا۔

اس نئے رجحان کی نشوونما ۱۹۶۷ء سے ہی شروع ہوگئی تھی جبکہ شمالی ہندوستان کی اکثر ریاستوں میں ایسی حکومتیں قائم ہوئیں جن میں آر۔ ایس۔ ایس۔ اور اس کے فلسفہ پر عمل پیرا فرقہ وارانہ جماعتوں کو ان حکومتوں میں حصہ داری

اور انتظامی امور میں شرکت اور مداخلت کا موقع ملا جو مخلوط حکومتوں کے نام سے کانگریس کو الیکشن میں شکست دے کر قائم ہوئی تھیں۔ اور ۱۹۶۹ء میں پہلی بار احمد آباد کے بڑے اور بے مثال فرقہ وارانہ فسادات نے، جس کے دوران مسلمانوں کو صنعت اور روزگار سے محروم کر دینے کے باقاعدہ منصوبہ کے واضح طور پر انتظامیہ اور دوسرے سرکاری شعبوں میں مستقل طور پر اپنی جگہ بنالی، یہاں تک کہ جب ان ریاستوں میں جہاں مخلوط حکومتوں کا دور شروع ہو گیا تھا، دوبارہ کانگریسی حکومتیں قائم ہوئیں تو بھی اس مسلم دشمن رجحان میں کوئی فرق نہیں پڑا بلکہ جیسے جیسے، تعلیم گاہوں، اور مقابلہ کے امتحانوں کے ذریعہ نیا عنصر، ادنیٰ اور اعلیٰ سرکاری ملازمتوں میں داخل ہوتا گیا، مسلم دشمنی کا یہ رجحان بڑھتا ہی چلا گیا، اور جس رفتار سے اس رجحان میں اضافہ ہوا، اسی رفتار سے دستور اور حکومتی پالیسیوں میں سیکولرازم کا رنگ دھیما، اور کمزور ہوتا چلا گیا، اور اب ۱۹۶۷ء کے ٹھیک ۲۰ برس بعد ۱۹۸۷ء میں پورا ملک اس ذہنی انقلاب کے دہانہ پر پہنچا ہوا نظر آنے لگا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ناانصافی، ظلم اور زیادتی، حکومتی اور انتظامی سطح پر سرے ہی سے توجہ دینے کے لائق بات نہیں سمجھی جاتی۔

جو لوگ مراد آباد، علی گڈھ، بڑودہ، راجکوٹ، میرٹھ، ہاشم پورہ، ملیانہ اور دوسری جگہوں پر ریاستی کانسٹبلریوں، اور پولیس کی زیادتیوں کے رویہ کے شاکی اور اس طرزِ عمل پر معترض ہیں، جو مسلم نوجوانوں کو ٹرکوں میں بھر بھر کر، مسلم محلّوں سے اٹھانے اور دور لے جا کر گولیوں سے اڑا دینے کی صورت میں ظاہر ہوا، وہ دراصل صورتِ حال کی سنگینی کا صحیح اندازہ نہیں رکھتے، اور مجموعی صورت کے صرف ایک حصّے کے خلاف واویلا مچاتے ہیں، اور اس